

دلچسپ اور سنسنی خیز کہانیوں کا مجموعہ
ماھنامہ
جاسوسی ڈائجسٹ
کراچی
جولائی 2019
بانی
معراج رسول
صفحات 290
قیمت 100 روپے

جاسوسی ڈائجسٹ

MEMBER APNS

CPNE

مدیر اعلیٰ
عذرا رسول

مدیر : لبنیٰ جمال
نائب مدیر : ڈاکٹر نعیم اختر

منیجر اشتہارات
محمد شہزاد خان
0333-2256789

سرکولیشن منیجر
سید منیر حسین
0333-3285269

جلد 49 • شمارہ 07 • جولائی 2019 • زرِ سالانہ 1200 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 100 روپے •

خط وکتابت کا پتا: پوسٹ بکس نمبر 229 کراچی 74200 • فون (021) 35895313 E-mail:jdpgroup@hotmail.com



پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

صدرِ اعلیٰ

چیں بہ چیں

عزیزانِ من......السلامُ علیکم!

اس برس کے گرما گرم موسم میں جولائی کا فرحت بخش شمارہ پیشِ خدمت ہے۔ عالمی سطح پر درجۂ حرارت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ قطبین اور برفانی پہاڑوں پر موجود قدرتی آبی ذخائر یعنی گلیشیئرز پگھلنے کی رفتار بتدریج بڑھ رہی ہے۔ یعنی نوعِ انسانی کے لیے صاف شفاف پانی کے قدرتی خزانے تیزی سے گھٹ رہے ہیں۔ اس کا بڑا سبب کرۂ ارض پر جنگلات اور درختوں کی تعداد میں نمایاں کمی ہے۔ کاغذ سازی کی صنعت اور بڑھتی ہوئی تعمیراتی صنعت کی ضروریات کے سبب جتنی تیزی سے درخت کاٹے جا رہے ہیں، اس رفتار سے نئے درخت اور پودے لگائے نہیں جا رہے۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں صورتِ حال زیادہ ابتر ہے۔ کاغذ کا ہر پرزہ اور ٹشو پیپر جو ہم فیاضی سے استعمال کر کے مسل کر پھینک دیتے ہیں، کسی نہ کسی درخت کے چند ریشوں کا قاتل ہوتا ہے۔ نیٹ سے منسلک تجارتی اور کاروباری روابط نے یہ احسان کیا ہے کہ کاغذ کے استعمال میں کچھ کمی آ رہی ہے۔ ہم جیسے ممالک کاغذ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بڑی حد تک دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں۔ خطیر زرِ مبادلہ خرچ کر کے یہ جنس درآمد کی جاتی ہے۔ مقامی وسائل افسوسناک حد تک ناکافی ہیں۔ اگر ہم کاغذ کے دونوں رخ پوری طرح استعمال کرنے کی عادت اپنا لیں تو مجموعی طور پر مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف شجرکاری کا مسئلہ ہے۔ پودے لگا لیں لیکن درخت بننے تک ان کی مسلسل آبیاری ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں عالم یہ ہے کہ دیہی علاقے تو درکنار، شہری علاقوں میں پانی کم بلکہ بہت کم پڑ رہا ہے۔ کم و بیش قحط کی سی صورت میں شہری ٹینکر مافیا کے یرغمالی بنے ہوئے ہیں۔ سرکاری لائنوں سے چوری کے ساتھ زیرِ زمین پانی بھی منظم پیمانے پر کشید کر کے منہ مانگے داموں پر بیچا جا رہا ہے۔ جب پینے اور نہانے کو پانی دستیاب نہ ہو تو پودوں کی آبیاری کیسے ممکن ہے۔ ضرورت ہے کہ اس ضمن میں سمندر بُرد ہونے والے گندے پانی کو قدرے صاف کر کے پودوں اور سبزہ زاروں کو سوکھنے سے بچایا جائے۔ اِکّا دُکّا کے بجائے جا بجا سیوریج ٹریٹمنٹ پلانٹ لگا کر اس پانی کو کارآمد بنایا جائے جو پودوں، درختوں اور سرسبزی کے لیے نہایت مفید رہتا ہے۔ بڑے پیمانے پر شجرکاری کے ساتھ یہ اقدام ناگزیر ہے ورنہ خدانخواستہ ہمارے لگائے ہوئے پودے بقول شاعر بن کھلے مرجھا نہ جائیں۔ پانی کے بحران اور ماحول کی تبدیلی نے اب ایک چیلنج کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ہنگامی اقدامات نہ کیے گئے تو آنے والے دن اور ابتر ہوں گے۔ ان روکھی سوکھی باتوں کے بعد چلیں اپنی محفل میں جہاں کھٹی میٹھی باتیں بنائی جا رہی ہیں۔

نارووال سے سید ذیشان کاظمی کا واویلا ”جون کا جاسوسی ڈائجسٹ تیس مئی کو ہاتھ لگا۔ ٹائٹل اس بار بہت مزے دار تھا اور ہوتا بھی کیوں نا؟ ٹائٹل پر میرے فیورٹ بھولے کے نقوش لیے ایک شخص بڑے اسٹائل سے ایک طرف سگریٹ کا اشارہ کرتا کوئی سگنل دے رہا تھا۔ میں نے فوری طور پر نظریں دوڑائیں تو بھولے کا سگنل ڈی کوڈ کر لیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس قہر برساتی گرمی میں بھی جوہی چاولہ کی آنکھوں اور بھومیکا چاولہ کے ہونٹوں والی ٹائٹل گرل نے ہائی نیک پہن رکھی ہے۔ بھولے کا سگنل جان کر مجھے تو ہنسی آ گئی۔ وہاں کسی کونے میں چھپے ٹائٹل گرل کے ہمدرد نے مائنڈ کرتے ہوئے اس پر گن تان لی۔ ان کو اس لڑائی میں مشغول چھوڑ کر میں نے شوگر ڈاٹ شوگر میں دوڑ لگا دی۔ وہاں اس بار بھی میرا تبصرہ غائب تھا۔ زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا؟ کوئی تو جواب دیجیے۔ میرے پیارے جاسوسی خواتین و حضرات دو ماہ سے میرے بہترین تبصروں سے محروم ہیں۔ (معلوم نہیں ہم تک کیوں نہیں پہنچے؟) کرسی صدارت پر محمد احسن زمان کی تفصیلی باتیں دل کو لگیں۔ ہم مغرب کی تقلید میں منہ ٹیڑھا کر کے دیسی لہجے میں جو انگریزی بولتے ہیں وہ اکثر انگلش گرامر کی حدود سے پرے ہی ہوتی ہے۔ احسن صاحب کا پانچ کلومیٹر ٹریک پر پہلا تبصرہ پڑھ کے عتیق الرحمان کی رائے جانی۔ عتیق صاحب! عبدالقیوم شاد اور علیم الحق حقی لیجنڈز تھے لیکن انہیں بھی یہ مقام ایک طویل ریاضت کے بعد ملا۔ موجودہ کہانیاں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں اگر کھلے دل و دماغ سے انہیں پڑھیں تو۔ ساگر تلوکر کی قسط وار تجویز میں میرا بھی ووٹ شامل کر لیجیے۔ محمل علی کا انگارے پر تبصرہ اچھا لگا۔ صادق جانگلہ جیسے قارئین ہی جے ڈی پی کا اصل سرمایہ ہیں۔ ویلکم سر جی! محمد اقبال نے خوب نپا تُلا تبصرہ کیا۔ سرگودھا سے محمد احتشام بھی گھنٹی بجا کر چلتے بنے۔ کیا حرج تھا اگر دو چار کہانیوں پر اپنی ماہرانہ رائے دے دیتے۔ شازیہ طارق پینتیس سال سے جاسوسی کی قاری ہیں۔ اتنا لمبا عرصہ خاموشی تو گینز بک آف دی ورلڈ ریکارڈ کا حصہ بنی چاہیے۔ ایمانے زارا شاہ کے ہوائی دعوے پڑھ کر طلعت مسعود اور عنصر علی کے انگارے پر تبصروں پر نظر دوڑائی تو ایک مانوس نام پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ سڈنی سے ڈاکٹر ارسلان شاہ کی سواری بادِ بہاری نے ہماری محفل کو رونق بخشی تھی۔ ان کا تبصرہ اس بار بھی خاصے کی چیز تھی لیکن بے چارے جس طرح اپنے بھائی حنان کی اچھائی کی صفائیاں دے

صدمہ الوداعی

امجد رئیس

طویل مسافتیں طے کرنے کے بعد ہی وقت صدیوں میں بدلتا ہے... کوئی پیڑ مہینوں تک سرسبز و شاداب پتیوں کا لبادہ اوڑھے کھڑا رہتا ہے... لیکن ایک واحد دن یا اکیلی رات میں اس کی سبز پتیاں زرد ہو کے بکھر جاتی ہیں... ایک ایسے ہی خاندان کی داستانِ حیات... اس کے آشیانے کا دامن پھولوں سے بھرا تھا... نئی کونپلیں پھوٹ چکی تھیں... زندگی کے خوب صورت رنگوں سے بھرے دن اسی طرح روشن تھے کہ عرصے سے ان کا رنگ نہیں بدلا تھا... مگر ایک دن اچانک ہی دھوپ سے بھرے روشن دن تاریکیوں میں بدل گئے... ساز پر تھرکتے تاروں کی لرزش یکدم تھم گئی... کتابِ زیست کے تمام اوراق بکھر کر رہ گئے۔ ایک چھوٹی سی غلطی سرزد ہوئی... صبح بیدار ہوئی پوری فیملی غائب تھی... وہ حیران و پریشان تھی... حیرت و صدمے نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا... کوئی فریب تھا... وہم تھا... یا سزائے ناروا... اس کا ذہن و دل اس انہونے صدمے کو جھیلنے سے قاصر تھا...

حسد و انتقام کے جذبات میں ڈوبی ایک کم سن بچی کے خاندان کی سنسنی خیز اور پُر تجسس داستان

تھریسا بیدار ہوئی تو گھر میں خاموشی تھی۔ پہلا خیال یہ آیا کہ اسکول کا دن ہے۔ رات جو کچھ ہوا، اس کے بعد یہی خواہش تھی کہ چھٹی کا دن نہ ہو۔ ذہن پوری طرح بیدار نہ تھا۔ دُھندلی سی تھی۔ اس نے آنکھیں مسلیں...... تھریسا نے اٹھ کے خواب گاہ کا دروازہ کھول کے جھری سے باہر جھانکا۔ ہال میں کوئی نہیں تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے ٹوائلٹ کی طرف بڑھ گئی۔ آئینے میں شکل دیکھی۔ اسے محسوس ہوا کہ عکس چودہ سالہ تھریسا کا نہیں کسی اور کا ہے۔

رات وہ ڈیٹ پر تھی۔ اسے ٹھیک یاد نہیں تھا کہ ایموس کے ساتھ کیسا وقت گزرا۔ اس کے پاس واڈکا اور جن کے علاوہ سرخ وائن کی بوتل بھی تھی۔ وہ خود ڈیڈی کی رم لے گئی تھی لیکن انجام بہت بُرا ہوا۔

تھریسا نے منہ پر پانی کے چھپاکے مار کے ذہن کی دُھند صاف کی۔ معاً اس کی چھٹی حس نے ٹھوکا دیا۔ گھر کا سکوت اسے اجنبی سا لگا۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو سمیٹا اور فیملی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اسے

محافظ

زویا اعجاز

انسانیت... ایمان داری اور ہمدردی انسان کے اندر سانس لیتی ہے... جو رشتے ناتوں اور بندھنوں کو انتہائی ذمے داری سے نبھانے کا فرض یاد دلاتی رہتی ہے... احساسات و جذبات سے لبریز کہانی کے انہونے موڑ... جو انسان کے اندر بسی حیوانیت اور حیوان میں پرورش پانے والے انسانیت کے خوب صورت جذبات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں...

"پاپا! مجھے بھی ساتھ لے چلیں ناں!" کامی نے گزشتہ نصف گھنٹے میں پچیس مرتبہ ادا کیا ہوا یہ جملہ چھبیسویں دفعہ دہرایا۔

"کتنی بُری بات ہے بیٹا! جب آپ کو ایک دفعہ منع کر دیا ہے تو کیوں ضد کر رہے ہو؟" کامی کی والدہ مسرت بیگم نے جھنجلا کر کہا۔

"مجھے جانا ہے ساتھ...... جانا ہے...... جانا ہے......" وہ پاؤں پٹختے ہوئے بولا۔

مسرت اور جمیل خاندان کی کسی شادی میں شرکت کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔ ان کا آٹھ سالہ اکلوتا بیٹا کامران بھی ساتھ جانے کے لیے بضد تھا۔

"بس! اب خاموش ہو جاؤ! ایک لفظ بھی منہ سے اور نکالا تو تمہاری زبان پر گرم چھری لگا دوں گی۔" مسرت نے اسے ایک تھپڑ رسید کرتے ہوئے سنگین لہجے میں دھمکایا۔

تھپڑ کی ممکنہ گونج اور دھمکی کے اثر سے کامی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہوگئی۔ مختصر سے ڈرائنگ روم کے پاس کھڑے سوی کا دل بھی اُداسی سے لبریز ہوگیا۔ سوی کی عمر گیارہ سال تھی۔ اس کی حیثیت گھر میں کسی ملازم جیسی ہی تھی۔ اس لیے گھریلو معاملات کو خاموش رہ کر صرف دور ہی سے دیکھ سکتا تھا۔ اسے خود بھی ان کے معاملات میں دخل اندازی اچھی نہیں لگتی تھی۔ اسے اپنے اصل مقام کا اچھی طرح علم تھا۔ اس وقت بھی وہ کامی کے آنسو اور افسردگی دیکھ کر رک گیا تھا۔

"اتنی ضد کر رہا ہے تو لے چلتے ہیں ساتھ۔ کیا حرج ہے؟" جمیل احمد نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"یہ بھی خوب کہی آپ نے!" مسرت مزید بپھر گئی۔

"ایسے کیسے لے جاؤں اسے ساتھ آپ کے تایا جی نے کارڈ پر صاف صاف لکھا تھا کہ صرف دو بندے آئیں گے۔"

"وہ بات تو ٹھیک ہے...... لیکن ایک بچے کے جانے سے کیا فرق پڑ جائے گا؟" وہ اپنی شرٹ پر پرفیوم چھڑکتے ہوئے بولے۔

"فرق تو پڑے گا میاں جی! کیا آپ کو اپنے خاندان کا پتا نہیں ہے؟ ایک بندہ بھی فالتو چلا گیا تو فنکشن میں مہمانوں کے سامنے ہی جتانا شروع کر دیں گے۔ اگلے مہینے اسحاق کی بھی شادی ہے۔ اگر آج ہم ایک بچہ ایکسٹرا لے گئے تو اگلے پانچ لے آئیں گے۔" مسرت نے حسبِ عادت تفصیلی تجزیہ کیا۔

سوی کو شدید اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ وہ خاتونِ خانہ کی اس عادت سے بہت نالاں تھا۔ انجن کی سیٹی کی طرح بجنا شروع ہوتی تو خاموش ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

"میں تو صرف اس کے رونے کی وجہ سے......" جمیل نے بیوی کو خاموش کروانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ الٹا ہی برآمد ہوا۔

"یہ سب آپ ہی کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے جو یہ اتنا بگڑتا جا رہا ہے۔ آپ کو اس کا رونا تو نظر آ رہا ہے۔ یہ کیوں دکھائی نہیں دیتا کہ اس کے پاس پچھلی عید کا بنایا ہوا صرف ایک ہی

سرنگ کا راز

سیرینا راض

وقت کتنا ہی بیت جائے... کچھ چیزوں کی حقیقت نہیں بدلتی... اس واقعے کو بھی رونما ہوئے تیس سال گزر چکے تھے... اس کے باوجود جو شے جہاں تھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھی... تیس سال پہلے ہونے والے جرم کی کڑی... ایک کڑی کے ملتے ہی تمام کڑیاں خودبخود بنتی چلی گئیں....

ایک لمبی سرنگ کی تلاش وحقیقت کا حیرت انگیز ماجرا......

''گویا یہ سُرنگ لیونگ روم کے بالکل نیچے ہے۔ اس جگہ جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔'' میں نے فرش پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

''میری تحقیق تو یہی بتاتی ہے۔'' ربیکا نے کہا۔ ''تاہم یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ یہ تمہارے مکان کے نیچے کہاں تک گئی ہے اور اس کی سمت کیا ہے...... یہ سرنگ میں جائے بغیر معلوم نہیں ہوگا لیکن مجھے اس سُرنگ کی موجودگی کا پورا یقین ہے۔''

اس کی بات پر مجھے بھی یقین آگیا۔ چھ ماہ قبل اس نے اپنی یونیورسٹی کے لیے کیپ مے، میں زیرِزمین ریل کی پٹری کے بارے میں تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے دوران اس نے ہر دستاویز کا مطالعہ کیا اور وہ کچھ معلوم کر لیا جس کی موجودگی کے بارے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اگر وہ کہہ رہی تھی کہ میرے گھر کے نیچے سے سرنگ گزر رہی تھی تو وہ وہاں ہوگی اور جلد یا بدیر وہ اسے دریافت کر لے گی۔

''ٹھیک ہے بیکی۔'' میں نے کہا۔ ''اگر تم کہتی ہو تو میں مان لیتی ہوں لیکن ہم اس میں کیسے جائیں گے؟ تمہارے پاس اس کا کوئی نقشہ ہے جس میں داخلی راستے کی نشاندہی کی گئی ہو؟''

''نہیں، لیکن میرے پاس ایک مخبر ہے بلکہ ایک سے زیادہ۔''

وہ جاسوسی کہانیوں کی بھی دلدادہ تھی۔ جارج اسمائیلی اس کا ہیرو تھا۔ وہ ہمیشہ کسی جاسوس کی تلاش میں رہتی تھی۔

''تمہارا مطلب ہے دوسرے لوگ جنہوں نے زیرِزمین ریل کی پٹری پر تحقیق کی ہو یا کوئی ایسا شخص جو انیسویں صدی کے وسط میں یہاں رہتا ہو اور تمہیں لائبریری کی فائلوں میں اس کا بنایا ہوا نقشہ مل گیا ہو۔''

''نہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے دونوں بازو اٹھائے اور سر کے پیچھے رکھتے ہوئے بولی۔ ''تم نے اکثر شکایت کی ہے کہ جب تم کوئی چیز لینے کے لیے تہ خانے کے اسٹور میں جاتی ہو تو تمہیں سرسراہٹ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں؟''

''ہاں۔'' میں نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ چوہوں کی آواز ہے لیکن دوا ڈالنے والے کا کہنا ہے کہ اس نے کبھی کوئی زندہ چوہا نہیں دیکھا۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے کیونکہ سرنگ میں قاتل گھات لگائے بیٹھا ہوا ہے۔''

میں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے لیونگ روم کے بالکل نیچے کوئی قاتل بیٹھا ہوا ہے۔ ''پریشان مت ہو امیڈا۔'' بیکی نے کہا۔ ''تمہیں کچن میں جا کر الماری سے اپنا ریوالور نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اس قاتل کے لیے ایک جھاڑو ہی کافی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ تم بھی اسے اپنے قریب دیکھنا چاہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے آدمی کو کوئی زندہ چوہا نہیں ملا۔''

''سرنگ میں کوئی بلی ہے؟'' میں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' وہ بولی۔ ''اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ تمہارے اسٹور کے دروازے کے نیچے سے اندر جاتی ہے اور اسٹور کے مخالف سمت میں لکڑی کے پرانے دروازے کے سوراخ میں سے گزر کر سرنگ میں چلی جاتی ہے جہاں وہ چوہوں کو مار کر واپس آجاتی ہے۔''

''یعنی وہ سرنگ میں جانے کا راستہ جانتی ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس سے تمہیں کوئی مدد ملے گی۔''

''شاید نہیں، اس کے لیے مجھے اسٹور میں رکھے ہوئے



ڈکیتی

منظر امام

شاعری کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں... یہ خداداد صلاحیت کسی کسی میں ہوتی ہے... محبوبائوں کے حسن و عشق کی تعریف میں قلابے ملا دینے والے شاعروں کا دلچسپ قصہ... اس بار انہیں ایک انوکھے مشاعرے سے دعوت نامہ ملا تھا...

مسکراتے...... دل لبھاتے انداز میں ایک نیا سبق دیتی کہانی......

مجبور کولہاپوری صاحب اچانک ہی ایک ہوٹل میں بیٹھے دکھائی دے گئے۔ وہ بہت اُداس معلوم ہو رہے تھے۔

میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ ’’ارے مجبور صاحب، خیر تو ہے، کہاں تھے آپ اتنے دنوں سے؟‘‘

’’بھائی زخمی، کچھ نہ پوچھو۔‘‘ انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ ’’چلو بیٹھ جاؤ، میں بتاتا ہوں۔‘‘

میں ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب تک اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم دونوں ہی شاعر تھے۔ میرا تخلص

آخری خواہش

ڈاکٹر سبا ارشد

انسان کسی سفر پر نکلتا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا... ایک ایسے ہی انوکھے سفر کی رُوداد... ہر شخص اپنے خاندان سے جدا ہو کے سفر پر رواں دواں تھا... ایک نئی دنیا کی تلاش اور دیکھنے کی خواہش نے انہیں بے قرار و بے چین کر دیا تھا... یہ بھی طے ہے کہ ہر سفر کا پُرمسرت طور پر ختم ہونا بھی ضروری نہیں... ان کے ساتھ بھی یہی ہوا... خوشگوار آغاز سے ناخوشگوار صورتِ حالات میں ڈوبتی ابھرتی کہانی...

سائنس فکشن کے متوالوں کے لیے ایک منفرد سفر کی دلچسپ کتھا......

شازمہ آج بہت خوش تھی۔ میڈیکل یونیورسٹی میں آخری سال بھی اس نے ٹاپ کیا تھا ساتھ ساتھ وہ امریکا کے میڈیکل لائسنسنگ کے امتحان میں بھی نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوئی تھی اب آخری اسٹیپ کے لیے اسے امریکا جانا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ والدین کے چہرے جہاں خوشی سے دمک رہے تھے وہیں بیٹی کی دوری کے احساس نے غم کی پرچھائیں بھی پھیلا رکھی تھیں۔

''ہمیشہ کامیاب رہو بیٹا۔'' رخصت سے قبل اس کی ماں نے پیشانی چومی۔

اس کے والد نے گلے لگایا۔

''بس آپ دونوں میرے لیے دعائیں کرتے رہیں۔'' اس نے کہا۔

''ہماری دعائیں تمہارے ہی لیے ہیں۔'' اس کے والد نے کہا۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔'' اس نے اجازت چاہی۔

رشتے داروں کے جمگھٹ کو اس نے دور سے ہاتھ ہلایا اور ائرپورٹ ڈیپارچر لاؤنج سے اندر گم ہوگئی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔ نہ اسے رخصت کرنے والے اس کے پیارے جانتے تھے کہ اب ملاپ کے لیے انتظار کی طویل گھڑیاں حائل ہو چکی ہیں۔

☆☆☆

پروفیسر آرنلڈ ناسا کا جانا مانا خلائی سائنسدان تھا۔ خلائی سائنس پر اس کی تحقیقات کئی مشہور جرنلز میں شائع ہو چکی تھیں۔

وہ مریخ کے علاوہ دیگر سیاروں پر بھی زندگی کے لیے دستیاب وسائل کے علاوہ نئے سیاروں اور ستاروں کی کھوج میں بھی تھا۔ وہ نہ صرف کئی کامیاب خلائی سفر کر چکا تھا بلکہ بے شمار مشہور افراد کو خلا کا اعزازی دورہ بھی کروا چکا تھا۔ محض پینتالیس سال کی عمر میں اس کی ترقی بے مثال تھی۔ وہ بچپن سے ہی سائنس میں دلچسپی رکھتا تھا اور دن رات اس حوالے سے معلومات کی تلاش میں رہتا۔ اس جنون کے پیشِ نظر اس کے ازدواجی معاملات بھی متاثر ہو رہے تھے۔ اس کی بیوی کچھ عرصے تک تو اس کے خبط کو برداشت کرتی رہی لیکن پھر بیٹے سمیت اپنی راہ پر چل دی۔ پروفیسر اب کبھی کبھی بیٹے سے مل لیتا تھا جبکہ زیادہ وقت ناسا کے صدر دفتر میں ہی گزارتا۔

آج کل وہ ایک مزید اعزازی دورے کی تیاریوں میں تھا۔

سوچ کی کئی پرچھائیاں اس کے چہرے پر نمایاں تھیں۔ ان میں اس کا ماضی تھا، اس کی کامیابیاں تھیں، اس کی دنیا بھی اور انہی پرچھائیوں میں اِمید وبیم کی کیفیت تھی۔

کمینہ

اعتزاز سلیم وصلی

جرم کرنے والا ہمیشہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب سے عقل مند ہے... اور ذہین دماغ کا مالک ہے... اس کی سوچوں اور منصوبہ بندی تک پہنچنا از حد مشکل ہے... جس سمت وہ محوِ سفر ہے... اس راستے کی جانب کوئی مڑ کے نہیں دیکھ سکتا... مگر موسم کی ادا ہے کہ پل میں اپنا رنگ بدل لیتا ہے... اچانک ہی ایسی ہوائیں چلتی ہیں جو خس و خاشاک کے مانند ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیتی چلی جاتی ہیں... لالچ کے راستوں پر گم ایک جرائم پیشہ کی اذیت ناک کارروائیاں...

اس فنکارہ کا ماجرا جس کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا......



انسپکٹر جہانزیب کی گاڑی ڈیفنس کا سارا علاقہ پیچھے چھوڑتی ہوئی آخری بنگلے کے گیٹ پر آرکی۔ پیر کی صبح سے شروع ہونے والی بارش نے پورے شہر کا موسم خوبصورت بنا دیا تھا۔ پچھلے ہفتے کی شدید گرمی کے بعد دو دن سے برسنے والی بارش نے ثابت کر دیا تھا کہ اسے کیوں رحمت کہا جاتا ہے۔ اب بھی بادل چھائے ہوئے تھے۔ جہانزیب اس وقت وردی کے بغیر تھا۔ وہ پختہ عمر کا ایک سنجیدہ نظر آنے والا شخص تھا جس کی شخصیت میں پولیس کی نوکری کی وجہ سے ایک رعب

معذور مجرم

تنویر ریاض

چاند آسمان کی وسعتوں میں تیرتا ہے اور اس کا عکس نیچے زمین پر دریا یا سمندر میں لرزتا نظر آتا ہے... اس عکس کو بھی چاند ہی کہتے ہیں... برف سے ڈھکے پہاڑوں میں آبشار اور جھرنے چھپے ہوتے ہیں... انہی وادیوں میں ایسے کردار بھی گھوم رہے ہوتے ہیں جن کی مثال کبھی چاند اور ستاروں سے دی جاتی تھی... مگر مال و زر کی کثرت صدیوں والے رشتوں کو بھی کمزور بنا دیتی ہے... جرم کی ایسی ہی سنگین وارادات کا سنسنی خیز احوال...

مصیبت میں پھنسی ایک سیاح لڑکی کی جدوجہد و استقلال

سانتا ایز رینا کی زندگی کا سب سے خطرناک دن حیرت و استعجاب کے عالم میں شروع ہوا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آنے والے لمحات میں وہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو سکتی ہے۔ اس نے اپنے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ٹھہرو، مجھے اپنا حلیہ تو ٹھیک کرنے دو۔''

''بے فکر رہو، کیمرا تمہارے اوپر فوکس نہیں ہوگا۔''
اس کے بوائے فرینڈ جیفری نے اسٹینڈ پر رکھا ہوا کیمرا بیڈ روم کی دیوار کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ صرف میرے



مقدر سے لڑنا اور ٹکر لینا کبھی سودمند ثابت نہیں ہوتا... کیونکہ جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے... ملتا وہی ہے... ایک ایسے ہی عجلت پسند شخص کا ماجرا... جو ہر جگہ اپنی پذیرائی چاہتا تھا وقت و حالات کی طنابوں سے کھیلنے والے شخص کی بے بسی و بے چارگی...

خوبصورت دوشیزہ کی تلاش کا دلچسپ و مسکراتا ہوا احوال......

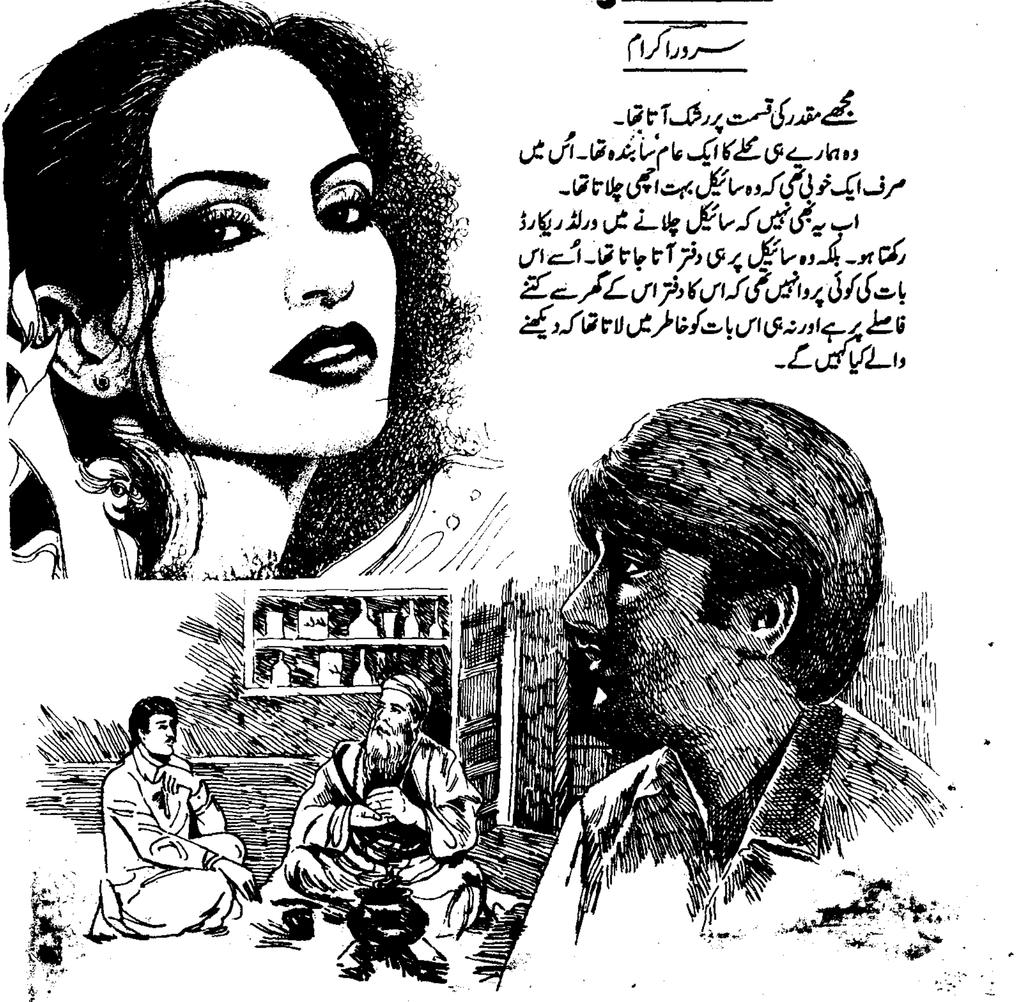
مقدر کا سکندر

سرور اکرام

مجھے مقدر کی قسمت پر رشک آتا تھا۔

وہ ہمارے ہی محلے کا ایک عام سا بندہ تھا۔ اُس میں صرف ایک خوبی تھی کہ وہ سائیکل بہت اچھی چلاتا تھا۔

اب یہ بھی نہیں کہ سائیکل چلانے میں ورلڈ ریکارڈ رکھتا ہو۔ بلکہ وہ سائیکل پر ہی دفتر آتا جاتا تھا۔ اُسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ اس کا دفتر اس کے گھر سے کتنے فاصلے پر ہے اور نہ ہی اس بات کو خاطر میں لاتا تھا کہ دیکھنے والے کیا کہیں گے۔



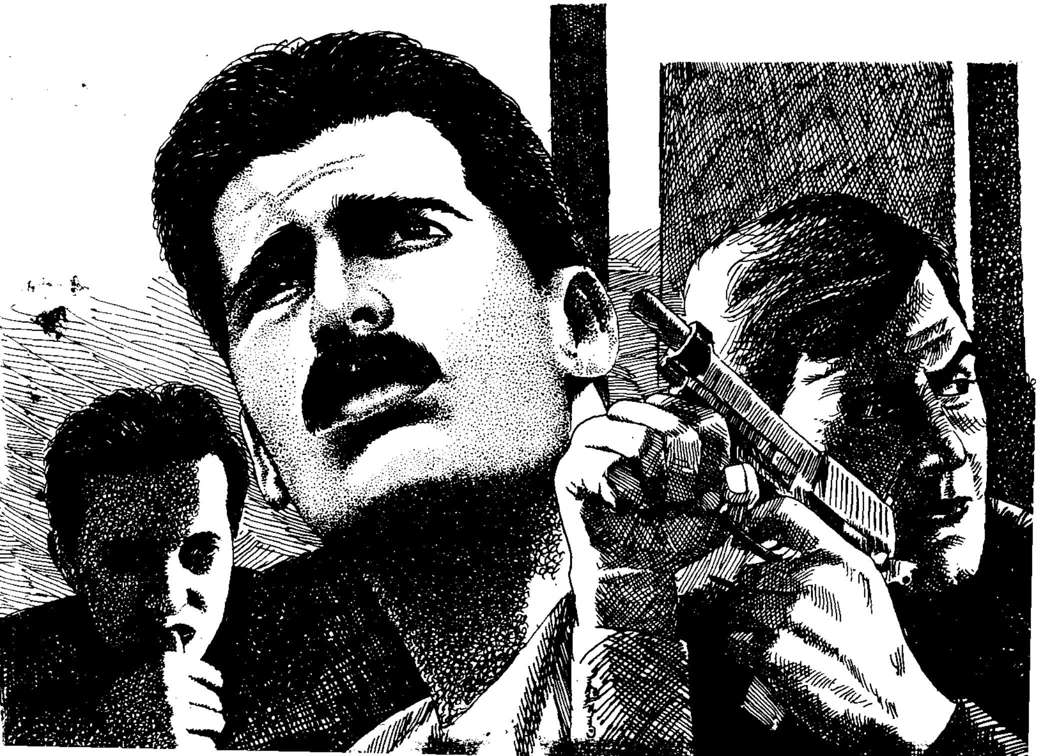
آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

قسط :63

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت نیک نیتی سے بنائے جاتے ہیں لیکن جب بانیوں کے بعد نکیل بگڑے ذہن والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام نہاد راہبوں کو جیسے گھنائونے الزامات میں نکالا ہے، ان کا ذکر بھی شرمناک ہے مگر یہ ہورہا ہے... استحصال کی صورت کوئی بھی ہو، قابل نفرت ہے... اسے بھی وقت اور حالات کے دھارے نے ایک فلاحی ادارے کی پناہ میں پہنچا دیا تھا... سکھ رہا مگر کچھ دن، پھر وہ ہونے لگا جو نہیں ہونا چاہیے تھا... وہ بھی مٹی کا پتلا نہیں تھا جو ان کا شکار ہو جاتا... وہ اپنی چالیں چلتے رہے، یہ اپنی گھات لگا کر ان کو نیچا دکھاتا رہا... یہ کھیل اسی وقت تک رہا جب اس کے بازو توانا نہ ہو گئے اور پھر اس نے سب کچھ ہی الٹ کر رکھ دیا... اپنی راہ میں آنے والوں کو خاک چٹا کر اس نے دکھا دیا کہ طاقت کے گھمنڈ میں راج کا خواب دیکھنے والوں سے برتر... بہت برتر قوت وہ ہے جو بے آسرا نظر آنے والوں کو نمرود کے دماغ کا مچھر بنا دیتی ہے... پل پل رنگ بدلتی، نئے رنگ کی سنسنی خیز اور رنگا رنگ داستان جس میں سطر سطر دلچسپی ہے...

تحیر... سنسنی اور ایکشن میں ابھرتا ڈوبتا دلچسپ سلسلہ...





گمنام مصنف

محمد یاسر اعوان

کہا جاتا ہے کہ اس پتھر کو ہاتھ نہ لگاؤ جسے اٹھانا تمہارے بس میں نہ ہو... اس کے باوجود کچھ لوگ اپنی طاقت و قوت سے بڑھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں... تخلیق کار اور مصنف بننا بھی ایسا ہی عمل ہے... قلم سازی زبردستی نہیں ہو سکتی... ایک حد تک اپنی صلاحیتوں کو بڑھایا جاسکتا ہے... ادب اور ادبی دنیا سے جڑی کہانی... کہانی ایک تھی اور اس کے دعوے دار کئی نمودار ہو چکے تھے... ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ اس کی تصنیف ہے... کہانی ہی کہانی میں خون کی آمیزش ہونے لگی... اور پھر ایک کے بعد ایک قتل کی وارداتوں نے سب کو خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا...

اس انہونی کہانی کا الجھاؤ جس کا مصنف معمے کی صورت اختیار کر گیا تھا......

منور کمال خود تو کوئی مشہور اور کامیاب ادیب نہیں تھے لیکن ادب کے اتنے دلدادہ تھے کہ ملک کے ادبی حلقے میں ہر کوئی اُن سے واقف تھا۔

انہوں نے اپنی تمام جمع پونجی لگا کر ادارۂ تخلیق قائم کیا۔ ادارۂ تخلیق کے اشتہارات تمام اخبارات اور جرائد میں شائع ہوئے۔ ''اپنے شہ پاروں کو ضائع نہ کیجیے۔ اگر رسائل و جرائد ان کی اشاعت پر رضامند نہیں تو ہمیں روانہ کر دیجیے۔ ہم انہیں قابلِ اشاعت بنا دیں گے۔ ادارۂ تخلیق

پچھتاوا

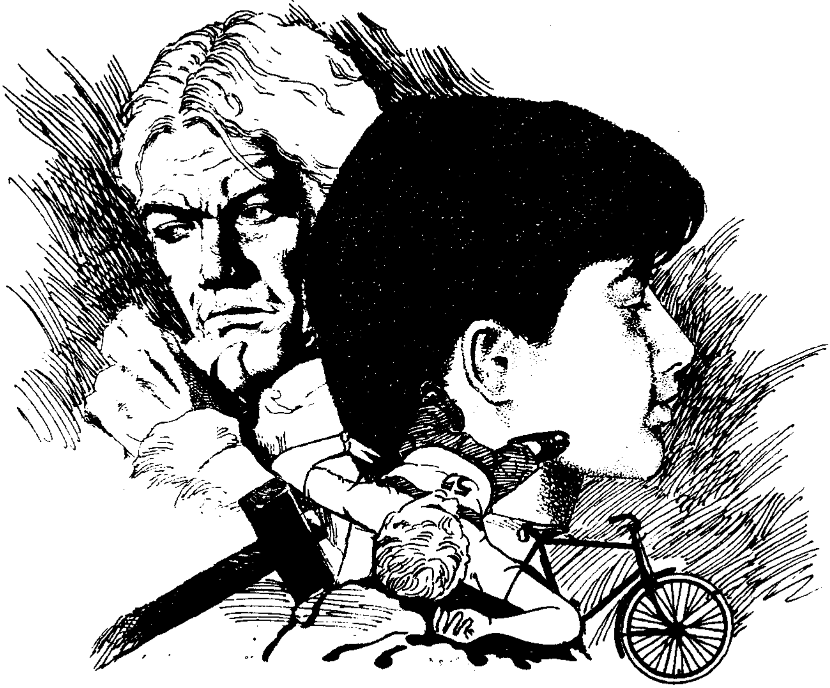
عکس فاطمہ

بچے پھولوں کی طرح نازک ہوتے ہیں... ایک خاص جد تک پہنچنے تک ان کی سخت حفاظت اور آبیاری کرنی پڑتی ہے... تبھی وہ مضبوط اور توانا صورت اختیار کرتے ہیں... چند ایسے ہی اسکول کے بچوں کی غیر نصابی سرگرمیاں... کھیل ہی کھیل میں وہ اپنی حدیں پار کر گئے تھے...

ایک باپ کی اپنے بیٹے سے محبت و یگانگت کا اثر پذیر قصہ...

پیٹھالوجسٹ مائیک فریز رکار پارکنگ میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا جب انسپکٹر لیمن کی کار وہاں آ کر رکی۔ جولائی کا مہینا شروع ہو چکا تھا لیکن گرمی کی شدت زیادہ نہیں تھی۔ لیمن نے اپنی جیکٹ اتارنے کے بارے میں سوچا لیکن موسم کو دیکھتے ہوئے اس نے صرف بٹن کھولنے پر ہی اکتفا کیا اور درختوں سے گھرے راستے پر چل دیا۔

سراغ رساں سارجنٹ سلیٹر سو گز کے فاصلے پر کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ گنجے سراغ رساں نے نیا سوٹ پہن



ظالم ہمدم

روبینہ رشید

انسان کی زندگی میں ایسے لمحات اور ایسی ملاقاتیں ضرور ہوتی ہیں جو اپنا تاثر چھوڑ جاتی ہیں... خاندان کے لوگ اس ایک ملاقات سے خوشی محسوس کرتے ہیں... بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے ملتے ہی دل ناخوش ہوجاتا ہے۔ وہ پہلی نظر میں ہی پسندیدگی کی سند سے خارج ہوجاتے ہیں... شدید سے شدید احساس اور ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے صرف ایک لفظ ہی کافی ہوتا ہے۔ اس خاتون کو بھی اپنی نرس پہلی نظر میں اچھی نہیں لگی تھی اور اس کا یہ تاثر آخری لمحات تک اس کے اعصاب پر طاری رہا... جنونِ زر کا شکار ہوجانے والے ان افراد کے چہروں سے پردہ اٹھاتی تحریر... جو زمانے بھر میں معتبر سمجھے جاتے تھے۔

اس دلیر عورت کا فسانہ جو حالات کا مقابلہ کرنا جانتی تھی......

چاروں طرف خاموشی کا راج تھا۔

بنگلوں کے پورچز اور گیٹوں سے جھانکتی روشنیاں اور سڑک پر لگی لائٹس رات کے گہرے اندھیرے کو شکست دینے کی ناکام کوشش کررہی تھیں۔ یہ شہر کے قدرے مضافات میں موجود ایک اعلیٰ متوسط علاقے کی ایک صاف ستھری اور جدید کالونی تھی۔ اس وقت سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ صرف ایک سیاہ کار تھی جو نہایت سست رفتاری سے گویا رینگتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ڈرائیور کو کسی خاص مکان کی تلاش ہو یا پھر وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ اسے آخر رکنا کہاں ہے۔ بالآخر سیاہ کار کارنر میں بنے بنگلے سے قدرے آگے آکر ایک کونے میں رک گئی۔ روشنیاں بند ہوتے ہی کار بھی رات کا حصہ بن گئی تھی۔ چند لمحوں بعد کار کا دروازہ کھلا اور اس سے ایک طویل القامت سایہ برآمد ہوا۔ وہ سرتاپا سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر سیاہ نرم کپڑے کا عجیب سا نقاب تھا جس سے اس کی آنکھیں جھلک رہی تھیں۔ پیروں میں بے آواز سیاہ جوتے تھے اور ہاتھوں پر سیاہ ہی رنگ کے باریک دستانے موجود تھے۔ وہ تیزی سے بنگلے کی دیوار کی طرف بڑھا اور پھر کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ چاروں ہاتھ پیروں سے چلتا دیوار پر چڑھ گیا۔ دوسری جانب اُتر کر اس نے محتاط نظروں سے چاروں جانب دیکھا۔ بنگلے میں ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے



سرورق کی دوسری کہانی

گردابِ بلاخیز

نجمہ مودی

بعض لوگ جب کسی نئے کام کا آغاز کرتے ہیں تو اپنے جذبات و احساسات کا خیال نہیں کرتے... لیکن کہا جاتا ہے کہ لکھاری کو قوتِ تخلیق کے ساتھ اگر دائمی رشتہ جوڑنا ہو تو اس کی اساس محبت اور صرف محبت پر ہونی چاہیے... ادیب محبت کے بغیر اپنے موضوع کے ساتھ تخلیق کا رشتہ تادیر قائم نہیں رکھ سکتا۔ موضوع سے رشتہ جوڑنے سے پہلے ادیب کو اپنے دل کی دھڑکنوں کی طرف دھیان اور دل کی پکار سننی چاہیے... ایک ایسے ہی لکھاری کے انداز و اطوار سے تعلق رکھتی کہانی کے اتار چڑھائو... وہ کہانی کار تھا... اور کہانی کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا... اور ایک دن اسے ایسی کہانی مل گئی... جس نے اس کی زندگی میں ہلچل بپا کر دی... اس کا خمیر محبت کے جذبے سے گندھا تھا... عشق کی آگ نے اسے مزید سلگادیا... اس کی زندگی کا دل رُبا موسم اچانک کیسے دل آزار ہو گیا... انہی گتھیوں میں الجھی زندگی کے نشیب و فراز...

گردابِ بلاخیز کی نذر ہو جانے والے کرداروں کا کھیل تماشا......

ایک طویل عرصے سے وہ ایک کہانی لکھنا چاہ رہا تھا جس کے بارے میں اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ وہ شاہکار ثابت ہوگی۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کہانی کی وجہ سے اس کی شہرت اگر پوری دنیا میں نہیں تو کم از کم ملک بھر میں ضرور پھیل جائے گی اور مرنے کے بعد بھی اس کا تذکرہ ادبی حلقوں میں سالہا سال ہوتا رہے گا۔

ستم ظریفی یہ تھی کہ اسے معلوم نہیں تھا، وہ کہانی کیا تھی، وہ کب اور کیسے لکھ پائے گا؟ اس کے ذہن میں نہ تو کہانی کا